© rasailojaraid.com

ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ

اسلامی ریاست میں اختیارِ حکمرانی

اسلامی ریاست کے موضوع پر اولین بحث اقتدار اور حاکمیت مطلقہ کو حاصل ہے۔ اس کے دو پہلو ہیں:

اوّل : پوری کائنات کا مقتدر اور حاکم مطلق کون ہے؟

دوم : دنیا میں حکمرانی کا اختیار کسے حاصل ہے؟

اقتدار و حاکمیت مطلقہ

اسلام میں پوری کائنات کا مقتدر اور حاکم مطلق اللہ ہے۔ وہ کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اس نے ہر چیز کی تخلیق کا مقصد اور اس کی قدر و قوت مقرر کی۔ وہی کائنات کا مقتدر مطلق ہے:

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (البقرہ : ۲۰)

یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

کائنات کی مختلف اور منتشر اشیا اللہ کے حکم سے اپنی اپنی قدر و قوت اور اپنے اپنے مقصد تخلیق کے مطابق مقررہ فطری قوانین اور کلیات کے تابع ایک مستحکم نظام میں منظم اور اس کے حکم سے مسلسل متحرک ہیں، جس کے سبب اللہ پوری کائنات کا حاکم مطلق ہے:

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (الانعام : ۵۷)

حکم صرف اللہ کا ہے۔

اَلَا لَہُ الْحُکْمُ قف (الانعام : ۶۲)

خبردار ہو جاؤ حکم صرف اسی کا ہے۔

فَالْحُکْمُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْکَبِیْرِ ○ (المومن : ۱۲)

حکم صرف اللہ بزرگ و برتر ہی کا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیارِ حکمرانی

اللہ نے اپنے اقتدار و حاکمیت مطلقہ میں سے دنیا میں حکمرانی کا اختیار امت مسلمہ کو بطور امانت عطا کیا۔ یہ اختیار بحیثیت مجموعی پوری امت کو حاصل ہے۔ امت کا ہر فرد اختیار حکمرانی میں برابر کا شریک ہے۔ کسی بھی فرد، خاندان، قبیلہ، علاقہ، جماعت، رنگ، نسل کو امت کے دوسرے افراد پر نسلی، خاندانی، قبائلی، علاقائی، جماعتی اعتبار سے اختیار حکمرانی میں کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں۔ اختیار حکمرانی پوری امت کو تفویض ہوا ہے۔ اس پر قرآن و سنت کے دلائل یہ ہیں :

قرآن

۱۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات : ۱۰)

سب مومن آپس میں بھائی ہیں۔

۲۔ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (الحجرات : ۱۳)

لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمھارے اندر سب سے زیادہ متقی ہے۔

۳۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرہ : ۱۴۳)

اس طرح ہم نے تمھیں ایک امت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

۴۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ (آل عمران : ۱۱۰)

لوگوں میں پیدا ہوئی امتوں میں تم سب سے بہتر امت ہو۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

۵۔ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ الْاَرْضِ (الانعام : ۱۶۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہی ہے جس نے تمھیں زمین کا خلیفہ بنایا۔

۶۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط (الحج: ۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، معروف کا حکم دیں اور منکر سے منع کریں۔

۷۔ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُکُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ڭ وَّ اَنَا رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْنِ ○ (الانبیاء: ۹۲)

یہ تمھاری امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے اور میں تمھارا رب ہوں۔ پس تم میری عبادت کرو۔

۸۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ (المائدہ: ۵۶)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کو ساتھی بنا لے تو اسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے۔

حدیث

۱۔ فلیس لعربی علی عجمی فضل ولا لعجمی علی عربی ولا لاسود علی ابیض ولا لابیض علی اسود فضل الا بتقوی، الناس من آدم و آدم من تراب[۱]

کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، نہ کسی کالے کو کسی گورے پر اور نہ کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت ہے۔ فضیلت اور برتری صرف تقوے کی بنا پر ہے۔ سب لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے تھے۔

۲۔ ایہا الناس کل مسلم اخوا المسلم وان المسلمون اخوۃ[۲]

لوگو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

۳۔ مثل المومن کمثل الجسد[۳]

---

[۱] خطبہ حجۃ الوداع [۲] ایضاً [۳] ابن ماجہ ۳۸۱۔ مسند احمد ۴: ۲۶۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مومن کی مثال ایک بدن کی مثال ہے۔

۴۔ اذا اشتکی عضوا تداعی له سائرہ جسدہ ۔[۴]

جب ایک عضو کو تکلیف ہو تو پورا جسم شکایت کرتا ہے۔

۵۔ المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضا ۔[۵]

مومن مومن کے لیے ایک عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کے ساتھ پیوست ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا آیات اور احادیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تمام مسلمان بلا امتیاز و تخصیص ایک سیاسی وحدت ہیں۔ ہر فرد اس سیاسی وحدت کا جزو لاینفک ہے۔ "ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ" یہ تمھاری امت درحقیقت ایک وحدت ہے۔ اس کل میں ہر جزو کو برابر اور مساوی قانون، سیاسی معاشرتی، معاشی، تمدنی، تہذیبی حقوق حاصل ہیں۔ ایمان کے رشتۂ اخوت کے سبب ریاستی و سیاسی امور میں استحقاق اور ان معاملات کی انجام دہی کے لیے سیاسی نظام کی ترتیب و تشکیل میں تمام بہن بھائی برابر کے شریک ہیں۔ کسی بہن بھائی کو دوسرے بہن بھائی پر سیاسی حقوق کے اعتبار سے کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں۔ اسلامی اخوت اور سیاسی وحدت میں سب مسلمانوں کی برابر کی اہمیت قرآن کے ان پُرشوکت اور باوقار القابات سے واضح ہے۔ "امۃ مسلمۃ" (مسلمان امت) "امۃ وسطا" (معتدل امت) "خیر امۃ" (بہترین امت) "امۃ واحدۃ" (ایک ہی امت)۔ ایمانی رشتۂ اخوت میں منسلک ہونے کے سبب پوری امت کو اعلیٰ خطاب ملا۔ انما المومنون اخوۃ" (سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں) مسلمانوں کو دینی تاریخ کے سب سے بڑے اعزاز "حزب اللہ" (اللہ کی جماعت) سے نوازا گیا۔

اگرچہ اس موضوع پر اب مزید دلائل کی ضرورت نہیں رہی کہ سب مسلمان ریاستی و سیاسی حقوق اور ملکی و حکومتی معاملات میں برابر کے شریک ہیں اور کسی ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں پھر بھی اسے اور مدلل بنایا جاتا ہے۔ متذکرہ آیات پر دوبارہ غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ ان میں تمام صیغے جمع کے استعمال ہوئے ہیں۔ "کنتم"، "جعلنکم"، "جعلکم"، "امتکم"، "مکنھم"۔ یہ صیغے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان آیات

---

[۴] بخاری، الصحیح، ادب ۲۷۔

[۵] مسلم، الصحیح، ۶۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مخاطب مسلمان ہیں۔ چونکہ یہ صیغے جمع کے ہیں اس لیے ان سے مراد تمام مسلمان ہیں۔ ان میں استثنا کا کوئی موقع اور مقام نہیں اور نہ ان کے سیاق و سباق میں استثنا کی کوئی گنجائش ہے، اس لیے یہ خطاب بلا استثنا تمام مسلمان مردوں اور عورتوں سے ہے۔ قرآن کا یہ اصول ہے کہ معاشرت، معیشت، سیاست، ریاست، عدالت، صنعت، تجارت، تہذیب و تمدن، تعلیم و تربیت جیسے اہم ملکی و حکومتی امور میں جو احکام اور ہدایات دی گئی ہیں، ان میں جمعِ مرکز کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، جن سے مرد و زن دونوں مساوی طور پر مراد ہیں۔ جو امور مردوں یا عورتوں کے لیے بطور جنس مخصوص ہیں ان کے صیغوں میں تذکیر و تانیث کی وضاحت موجود ہے۔ "شہداء علی الناس" امامت انسانیت کے منصب پر فائز ہونے کی ہدایت پوری امت کو ہے، اسی طرح "جعلنکم امۃ وسطا" میں پوری امت کو متوجہ کر کے براہِ راست تمام مسلمانوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ "کنتم خیر امۃ" کے خطاب سے کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ امت مسلمہ کا ہر فرد مخاطب ہے۔ "امتکم" کے خطاب میں امت کے ہر ہر فرد کی اہمیت اور ایک ایک مسلمان کی حیثیت کو پورے وضوح سے بیان کیا گیا ہے۔ اس خطاب میں امت کی الگ الگ اکائیوں اور جدا جدا افراد کو ایک وحدت قرار دے کر ساری امت کے ہر جز کو کل کا لازمی اور ناگزیر حصہ قرار دیا گیا ہے۔

متذکرہ آیات میں سے دو آیتیں قیام خلافت و ریاست کے سلسلے میں خاص طور پر پیش کی جاتی ہیں۔ اول: آیتِ خلافت "وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَٰٓئِفَ الْأَرْضِ" وہی ہے جس نے تمھیں زمین کا خلیفہ بنایا۔ دوم: آیت "تمکن فی الارض" "الذین ان مکنھم فی الارض" یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار دیں۔ ان دونوں آیتوں کے مخاطب تمام مسلمان ہیں جیسا کہ "کم" اور "ھم" میں صیغہ جمع کی ضمیروں سے واضح ہے۔

اسلام نے امت کے تمام افراد کے مساوی سیاسی حقوق کو اتنی اہمیت دی ہے کہ اللہ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان عام کروایا کہ وہ بھی بشر ہیں۔ "قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" (الکہف: ۱۱۰) ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر الہامی امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے کو اپنی ذاتی رائے قرار دیا اور جب صحابہ نے متبادل رائے پیش کی اور آپ نے اسے بہتر سمجھا تو آپ نے اسے تسلیم کیا اور اس پر عمل کیا۔ اپنی رائے واپس لے لی۔ ان مثالوں میں غزوۂ بدر میں میدان جنگ کا انتخاب، اسیرانِ بدر سے سلوک کا معاملہ، غزوۂ احد کے لیے مدینہ سے باہر جنگ کا واقعہ، غزوۂ خندق کے دوران بنو غطفان کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدینہ کی ایک تہائی کھجوروں کی پیش کش کا معاملہ، کھجوروں کو پیوند نہ لگانے میں آپؐ کی رائے، جیسے امور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت سربراہِ حکومت اپنی رائے کے مقابلے میں دوسروں کی رائے کا پورا پورا احترام فرمایا، اور اس بات کو ہمیشہ کے لیے طے کر دیا کہ تمام افرادِ ملت کے حقوق مساوی ہیں اور ہر فردِ ملت کو حق ہے کہ وہ اپنی رائے کا استعمال کرے۔ مثبت انداز میں اللہ نے آنحضرتؐ کو حکم دیا کہ آپ نظامِ مملکت امت کی باہمی مشاورت سے چلائیں۔ "وشاورھم فی الامر"

خلفائے راشدین کا بھی یہی طرزِ عمل تھا۔ وہ تمام امورِ مملکت امت کی رائے اور مشاورت سے طے کرتے تھے۔ انھوں نے کبھی یہ تاثر نہیں دیا کہ افرادِ امت ان سے کم تر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو واشگاف الفاظ میں فرمایا: "انی واحد کاحدکم" "میں تم ہی میں سے ایک ہوں۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ میری رائے ایک فرد کی رائے ہے۔ جس طرح مجھے اظہارِ رائے کا حق ہے، ویسے ہی تمھیں بھی اظہارِ رائے کا حق ہے۔ اس لیے میری رائے کے مقابلے میں تم اپنی رائے کھل کر بیان کرو۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خلفائے راشدین امت کا یہ حق تسلیم کرتے تھے کہ حقوق میں امت کے تمام افراد برابر ہیں۔ ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ اختیارِ حکمرانی میرے پاس تمھاری امانت ہے جو تم نے میرے سپرد کر رکھی ہے۔ تم اس اقتدار میں میرے ساتھ برابر کے شریک ہو۔ میں تمھاری ہی طرح ایک فرد ہوں۔" تشترکوا فی امانتی فیما حملت من امورکم فانی واحد کاحدکم۔"[۱۲]

اختیارِ حکمرانی کا استعمال

اس بات کے متحقق ہو جانے کے بعد کہ اختیارِ حکمرانی پوری امتِ مسلمہ کو بحیثیت مجموعی حاصل ہے، یہ سوال خود بخود نمایاں ہو جاتا ہے کہ آیا امت کا ہر فرد اپنے اختیارِ حکمرانی کو خود استعمال کرے؟ یا امت میں سے اس منصب کے لیے زیادہ اہل افراد کو اپنا اختیار سونپ دے؟ انسانی عقل و تجربہ اول الذکر صورت کی تائید نہیں کرتا اور نہ ہی یہ بات عملاً ممکن اور مفید ہے۔ موخر الذکر صورت ممکن بھی ہے اور ہر اعتبار سے مفید بھی ہے۔ قرآن نے اسی کو اپنانے کی ہدایت کی ہے۔

---

[۱۲] ابو یوسف، کتاب الخراج، مصری ایڈیشن، ص ۱۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (النساء ، ۵۸)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

اس آیت سے چار آئینی اصول وضع ہوتے ہیں :

اوّل : اختیارِ حکمرانی ایک مقدس امانت ہے۔

دوم : تمام افرادِ امت بلا استثنا اور بلا امتیازِ مرد و زن اس امانت کے امین ہیں۔

سوم : امت اختیارِ حکمرانی کی یہ امانت اس منصب کے اہل افراد کے سپرد کرے۔

چہارم : حکمرانی کی اہلیت کا معیار، حکمرانی کی صلاحیت اور عادلانہ فیصلے کی قوت ہے۔

پہلا اصول اختیارِ حکمرانی کو امانت قرار دیتا ہے۔ اسلام میں امانت کی حفاظت اور ادائیگی کے اصول موجود ہیں۔ امانت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ امانت ضائع نہ کی جائے۔ اس کے ضیاع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید سنائی ہے۔

" فاذا ضیعت الامانۃ فانتظر الساعۃ "[۵]

جب امانت ضائع کی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

گویا امانت کا ضیاع ہلاکت کے مترادف ہے۔ اگر افراد امانت میں خیانت کریں تو ایسے خائن افراد ہلاک ہو جاتے ہیں، اور اگر قومیں امانت میں خیانت کریں تو وہ برباد ہو جاتی ہیں۔ جو قومیں امانت کے تقدس کو پامال کرتی ہیں، تباہی و بربادی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔

دوسرے اصول کے مطابق اختیارِ حکمرانی بطور امانت امت کا حق ہے، جب تک امت برضا و رغبت آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانب دارانہ طور پر یہ امانت کسی اہل کے سپرد نہ کرے اس وقت تک امانت کی ادائیگی جائز نہیں، اور اگر ناجائز ذرائع — قبائلی اور مالی طاقت — سے اس پر قبضہ کیا جائے تو وہ غصب و خیانت کہلائے گی۔

---

۵ بخاری، الصحیح، علم ۲، رقاق ۳۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس پر جو ریاستی و اجتماعی نظام قائم ہوگا وہ کسی صورت بھی اسلامی نہیں ہوگا۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ چونکہ پوری امت بحیثیت مجموعی اختیارِ حکمرانی کی امین ہے، اس لیے امت کے کسی ایک بھی فرد کو نظر انداز کر کے اگر ریاستی نظام قائم ہو تو اس فرد کے ساتھ خیانت ہوگی اور اگر زیادہ افراد کو شرکت کا موقع دیے بغیر کوئی نظامِ حکومت قائم ہو تو زیادہ بڑی خیانت ہوگی۔

چوتھے آئینی اصول کا تقاضا ہے کہ امت یہ امانت ایسے لوگوں کے سپرد کرے جو اس کے اہل ہوں۔ قرآن نے اہلیت پر بڑا زور دیا ہے۔ امانت کے استعمال کا فطری تقاضا بھی یہی ہے۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے۔

ومن کانت عندہ امانۃ فلیؤدھا[۵۸]

جس کے پاس امانت ہو وہ اس امانت کو اسے ادا کرے جو اس کا اہل ہو۔

اگر امانت نا اہل لوگوں کے سپرد کی جائے تو وہ ضائع ہو جاتی ہے اور ضیاع امانت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وعید پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ اختیارِ حکمرانی کا تعلق امت کی خیر و فلاح، فروغ و ارتقا اور نفاذ معروف و منکر سے ہے۔ اگر اختیار کی امانت نا اہل افراد کے سپرد کر دی جائے تو وہ دین و اخلاق کو تباہ اور ملک و ملت کو برباد کر دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ امانت کی اہلیت کے متحمل افراد کا انتخاب امت کا سب سے اہم فریضہ ہے۔ اگر امت نے صحیح افراد کا انتخاب کیا تو اس نے امانت کا حق ادا کیا اور اگر اس نے غلط اور نا اہل افراد کو منتخب کیا تو اس نے امانت میں خیانت کی۔

ادائے امانت کی اہلیت

اس بات کے ثابت ہو جانے کے بعد کہ پوری امت اختیارِ حکمرانی کی امین ہے، اس میں مرد و زن کی کوئی تخصیص و تفریق نہیں، یہ امر قابلِ غور ہے کہ امانت کی ادائیگی کی اہلیت کیا ہو؟ اس سلسلے میں صرف دو شرطوں کا لحاظ رکھا جائے گا۔

اوّل، بالغ۔ دوم، عاقل۔

امت مسلمہ کے ہر بالغ و عاقل مرد و زن کو حق رائے دہی کی اہلیت اسی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے جس بنیاد پر وہ

---

۵۸ مسند احمد، ۳: ۳۶۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملتِ مسلمہ کے رشتۂ اخوت کا رکن بنتا ہے ۔ رشتۂ اخوت میں رکنیت کی بنیاد صرف ایمان ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ تمام بالغ و عاقل اہلِ ایمان حقِ رائے دہی کے اہل ہیں ۔ اس اختیار کو امانت قرار دیا گیا ہے ، اس لیے ہر امین پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس امانت کی ادائیگی میں خیانت نہ کرے ، جس شخص کو اس امانت کا صحیح طور پر اہل سمجھے ، اسے ادا کرے ۔ اگر اس نے یہ امانت نااہل افراد کے سپرد کردی تو یہ امانت میں خیانت ہوگی ۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے :

لا تجتمع الخیانۃ والامانۃ جمیعاً [۹]

خیانت اور امانت دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں ۔

حضور کا یہ بھی ارشاد ہے :

لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ۔[۱۰]

جو امانت کا پاسبان نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں ۔

شرائطِ اہلیت

درج ذیل اوصاف کے حامل افراد اختیارِ حکمرانی کے اہل قرار پائیں گے :

۱ ۔ تقویٰ :- کردار و تقویٰ میں مطابقت اور تقویٰ کے اعلیٰ سے اعلیٰ ترین مقام " اتقی " کے حصول کی شدید ترین مسلسل خواہش اور شدت احساس ذمے داری : اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط (الحجرات ، ۱۳) درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ متقی ہے ۔

۲ ۔ قوت و امانت : ملکی اور حکومتی معاملات کو ذہنی اور جسمانی قوت و صحت ، کامل دیانت و امانت اور مکمل عدل و انصاف سے انجام دینے کی قدرت " اَلْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ o (القصص : ۲۶)

۳ ۔ قوت والا امانت دار :- صرف بقدر ضرورت معاشی وسائل پر قناعت " کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ ط (الحشر ، ۷) تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں مال انہی کے ہاتھوں میں نہ گردش کرتا رہے ۔

۴ ۔ اخوت و وحدت ، مومنین کی اخوت پر ایمان " اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ " (الحجرات ، ۱۰)

---

۹ ۔ احمد بن حنبل ، مسند ، ۵ : ۴۳ ۔ ۱۰ ۔ ایضاً ، مسند ۳ : ۲۴۹ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور امت کی وحدت پر ایقان "هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ" (الانبیاء: ۹۲) یہ تمھاری امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے۔

شرائط نا اہلیت

اسلام میں عوام، جو اختیار حکمرانی کے اصل امین ہیں، وہ اپنی امانت اسی صورت میں صحیح طور پر اہل افراد کے سپرد کر سکتے ہیں، جب سب مسلمانوں کو مساوی حقوق حاصل ہوں۔ جو شخص اور جماعت ان حدود سے متجاوز ہو اور درج ذیل روش پر گامزن ہو وہ اسلامی طریقِ انتخاب میں نااہل قرار پائے گی۔

۱۔ عصبیتِ جاہلیہ : ذات برادری، قبائلی، علاقائی اور لسانی عصبیت "كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ" (آل عمران: ۱۰۳) تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو خدا نے تمھیں اس سے بچا لیا۔

۲۔ فرقہ واریت : فرقہ وارانہ مذہبی جمعیت اور عصبیت "اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ" (الانعام: ۱۵۹) جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور کئی کئی فرقے ہو گئے تم ان میں سے نہیں ہو۔ "وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ" (آل عمران: ۱۰۵) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو فرقے فرقے ہو گئے اور صاف احکام آنے کے بعد ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے۔ "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص" (آل عمران: ۱۰۳) اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور فرقے فرقے نہ ہونا۔

۳۔ زائد از ضرورت معاشی وسائل : زائد از ضرورت معاشی وسائل کی ملکیت "وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ" (التوبہ: ۳۴) اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔

۴۔ منافقت : منافق ملتِ اسلامیہ اور مسلمانوں کے کبھی خیر خواہ نہیں ہو سکتے، وہ موقع ملتے ہی انھیں دھوکا دیں گے۔ "يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ج" (البقرہ: ۹) وہ اللہ اور اہل ایمان کو دھوکا دیتے ہیں۔

ادائے امانت کا طریقِ کار

اختیار حکمرانی کی امانت اہل لوگوں کے سپرد کرنے کا طریقِ کار بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ امصار و اعصار اور ظروف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احوال میں تغیر و تبدل کے سبب اس طریقِ کار میں تبدیلی فطری عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس کے لیے کوئی مخصوص طریقِ کار مقرر نہیں کیا۔ عہدِ خلافتِ راشدہ کی مختصر مدت میں چار مختلف طریقے اپنائے گئے جن میں سے ہر ایک موقع و ماحول کے مطابق درست سمجھا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس دین نے قیامت تک انسانوں کی رہنمائی کرنی تھی، اس کے لیے یہی مناسب تھا کہ وہ اس معاملے کو امتِ مسلمہ کی صواب دید پر چھوڑ دیتا۔ لہٰذا امتِ مسلمہ کے اختیار میں ہے کہ وہ حالات و واقعات کے مطابق جو طریقِ کار مناسب و مفید سمجھے، اپنائے، البتہ اس سلسلے میں چند بنیادی اصول ہیں۔ جنھیں کسی صورت بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

اول : امت کے تمام بالغ و عاقل مرد و زن کو رائے دہندگی کا حق حاصل ہو گا۔

دوم : انتخابات ہر لحاظ سے آزادانہ اور منصفانہ اور غیر جانب دارانہ ہوں۔

سوم : انتخابات میں نسلی، نسبی، علاقائی اور فرقہ دارانہ عصبیتوں اور جمعیتوں کی اجازت نہ ہو۔

چہارم : مالی ذرائع و وسائل کے استعمال کی قطعی طور پر ممانعت ہو۔

آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانب دارانہ انتخابات کے انعقاد اور ان سے کامیاب نتائج حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ صرف ان لوگوں کو اہل قرار دیا جائے جو ہر قسم کے تعصبات سے آزاد ہوں۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جس کے پاس نسلی، نسبی، علاقائی اور فرقہ وارانہ قوت ہوگی، وہ کوشش کے باوجود بھی اسے استعمال کیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ اسی طرح جس کے پاس مالی وسائل ہوں گے وہ بھی بہر صورت انھیں استعمال کرے گا۔ اقتضائے دین و دانش یہی ہے کہ منجملہ دیگر صلاحیتوں کے وہ لوگ اہل قرار دیے جائیں جو ان تعصبات سے بالاتر ہوں اور بنیادی ضروریات کے لیے ضروری معاشی ذرائع سے زیادہ مالی وسائل کے مالک نہ ہوں۔ مالی وسائل کی تحدید قرآن کے پیمانہ " قُلِ الْعَفْوَ " سے کی جائے۔

موضوعِ زیرِ بحث کی مزید توثیق عہدِ رسالت اور خلافتِ راشدہ سے ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت و رسالت کے لیے اللہ کے فرستادہ تھے۔ بحیثیت سربراہِ حکومت آپ کے معاشی وسائل کبھی قدرِ ضرورت سے نہیں بڑھے بلکہ اکثر اوقات ضرورت سے بھی کم رہے ہے۔ آپ کی قبائلی عدم عصبیت کا یہ حال تھا کہ آپ کے مخالفین اس کمزوری کا طعن دیتے اور کہتے یہ قرآن مکہ و طائف کی بستیوں میں سے کسی وڈیرے پر کیوں نازل نہ ہوا۔ "وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ (الزخرف: ۳۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب سے پہلے خلیفۂ راشد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس حد تک قبائلی تعصبات سے بالا تھے کہ سوائے اہلِ علم کے کم لوگ ہی جانتے ہیں کہ ان کا قبیلہ کون سا تھا؟ وہ قبیلہ بنو تمیم سے تھے۔ یہ قبیلہ معاشی و مالی وسائل کے اعتبار سے ادنیٰ درجے کا تھا اور سیاسی و معاشرتی اعتبار سے زیادہ اہم نہ تھا۔ حضرت ابوبکر نے خلافت کے معاملات میں کبھی قبائلی تعصب سے کام نہیں لیا۔ بلکہ مصدقہ روایات کے مطابق ان کے اہلِ قبیلہ اپنے استحقاق سے بھی کم درجہ خدمات انجام دیتے رہے۔ دوسرے خلیفۂ راشد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو عدی سے تھے۔ یہ قبیلہ مالی، سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے متوسط درجے کا تھا۔ افرادی میں بھی بنو تیم کی طرح طاقت ور نہ تھا۔ حضرت عمر قبائلی عصبیت کی بنیاد پر اس معاشرے میں کبھی خلیفہ نہیں بن سکتے تھے کیونکہ ان سے بڑے قبائلی عصبیت کے لوگ موجود تھے۔ نہ ہی انھوں نے کبھی اپنے قبیلے کے اثر و رسوخ کو خلافت کے کاموں میں اثر انداز ہونے دیا۔ ان کے خاندان کا صرف ایک فرد ایک منصب پر مقرر ہوا اور جلد ہی اُسے علیحدہ کر دیا گیا۔ ان کا خاندان بھی اپنے استحقاق سے کم مرتبے پر خدمات انجام دیتا رہا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں مالی اعتبار سے متوسط درجے سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس قبل از اسلام جو مال تھا وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کر چکے تھے انتخابِ خلافت کے وقت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما مالی اعتبار سے بقدرِ ضرورت معاشی وسائل رکھتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مالی اور معاشی اعتبار سے متوسط سے بھی کم درجے کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ قبیلہ بنو ہاشم سے تھے جو اگرچہ اہم قبیلہ تھا مگر ظہورِ اسلام سے قبل ہی اس کی حالت بدل گئی تھی اور معاشی و معاشرتی حیثیت متوسط درجے کی رہ گئی تھی۔ خود حضرت علیؓ قبائلی عصبیت سے اتنے آزاد تھے کہ ان کے مخالفین نے بھی کبھی انھیں اس کا موردِ الزام نہیں ٹھہرایا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے ذاتی اوصاف و محاسن کے لحاظ سے خلیفۂ راشد تھے مگر اس کے ساتھ ہی وہ قبائلی قوت (بنو امیہ) اور مالی وسائل کے اعتبار سے بھی اہم تھے۔ اگرچہ انھوں نے خود ان کا کبھی سہارا نہیں لیا، مگر یہ حقیقت ہے کہ ان کے مخالفین کی تنقید کا زور قبائلی عصبیت اور مالی وسائل پر ہی تھا۔ ان کے معترضین کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ انھوں نے اپنے قبیلے بنو امیہ کے ساتھ رعایت کی۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ انھوں نے اپنے مالی وسائل اقربا پر خرچ کیے۔ ان اعتراضات کی صحت اور عدمِ صحت سے قطع نظر مخالفین نے بنو امیہ سے تعلق اور مالی وسائل کے استعمال کو بہانہ بنا کر خلیفۂ راشد حضرت عثمان کو شہید کر دیا اور امت کو ناقابلِ تلافی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نقصان پہنچایا۔ اس طرح خلیفۂ راشد حضرت عثمان جیسے امین، خلافتِ راشدہ جیسے مثالی عہد میں اپنی کامل دیانت کے باوجود معترضین کے اعتراضات کا ہدف بن گئے۔ جب حضرت عثمان جیسی عظیم ہستی اعتراضات سے نہ بچ سکی تو آج کون ان کے رتبے کو پہنچ سکتا ہے۔ یہ صورتِ حال خلافتِ راشدہ اور عہدِ صحابہ میں پیدا ہو گئی تھی تو ان کے بعد کون سا ایسا امتی ہو سکتا ہے، جو قبائلی، فرقہ وارانہ عصبیتوں اور مالی وسائل کی موجودگی میں اعتراضات سے بچ سکے۔ اس مثال سے یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ نسلی، نسبی، علاقائی اور فرقہ وارانہ عصبیتیں اور زائد از ضرورت معاشی وسائل اسلامی نظامِ انتخابات میں نااہلیت کی شرطیں قرار پائیں۔

حکمرانی کی اہلیت کی بحث میں خلافتِ راشدہ ہی کا ایک دوسرا پہلو قابلِ ذکر ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے والد حضرت ابوقحافہ نے جب سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں تو انھوں نے کہا یہ عظیم حادثہ ہے۔ پھر انھوں نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون والی مقرر ہوئے ہیں؟ بتایا گیا، ابوبکرؓ، ابوقحافہؓ نے بڑے تعجب سے پوچھا، کیا بنو عبد مناف اور بنو مخزوم اس پر رضامند ہو گئے ہیں؟ " او رضیت بنو عبد مناف و بنو مخزوم " بتایا گیا۔ ہاں، ابوقحافہ نے کہا پھر تو یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے دیتا ہے۔ ایک دوسری روایت سنیے۔ حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حضرت ابوسفیانؓ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا کیا آپ اس پر رضامند ہیں کہ خلافت بنو تیم کے پاس ہو؟ " ارضیتم ان یکون ھذا الامر فی بنی تیم "، حضرت علی نے کہا: ابوسفیان! اسلام کا معاملہ جاہلیت کے معاملے جیسا نہیں ہے: " یا ابا سفیان ان الامر الاسلام لیس کامر الجاھلیۃ "[۱۱]

پہلی روایت کے مطابق حضرت ابوقحافہ کو تعجب ہو رہا تھا کہ ان کا بیٹا ابوبکر نہ تو کسی بڑے قبیلے کی عصبیت کا مالک ہے اور نہ ہی زائد از ضرورت مالی وسائل رکھتا ہے۔ ایسی صورت میں بنو عبد مناف اور بنو مخزوم جیسے قبائل نے عددی قوت، قبائلی عصبیت اور مالی وسائل کے باوجود ابوبکر کو کیسے خلیفہ قبول کر لیا؟ گویا قبائلی عصبیت اور زائد از ضرورت مالی وسائل دورِ جاہلیت میں اختیارِ حکمرانی کی ضروری شرائط تھیں۔ جو ان شرائط پر پورا اترتا وہ حکمرانی کا اہل قرار پاتا۔ ابوقحافہؓ کے تعجب کا دوسرا سبب یہ تھا کہ بنو عبد مناف اور بنو مخزوم جو

---

[۱۱] امام ابن تیمیہ۔ منہاج السنۃ النبویۃ۔ جلد ۲، ص ۱۹۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دورِ جاہلیت کے ان اوصاف سے بدرجہ اتم متصف تھے، انھیں خلافت سے کیسے نظر انداز کر دیا گیا اور وہ دونوں قبیلے ایک معمولی قبیلے بنو تیم کے فرد ابو بکر پر کیسے رضامند ہو گئے؟

حضرت علیؓ اور حضرت ابو سفیان کے مکالمے سے حکمرانی کی اہلیت کا معیار زیادہ وضاحت کے ساتھ سامنے آ گیا۔ جب حضرت ابو سفیانؓ نے حضرت علیؓ سے صاف صاف کہہ دیا کہ کیا خلافت کے معاملے میں وہ بنو تیم پر رضامند ہو گئے ہیں؟ گویا ابو سفیانؓ ابھی تک حکمرانی کی اہلیت کے اس معیار کو قبول کرنے پر اپنے آپ کو آمادہ نہ کر سکے جو اسلام نے قبائلی عصبیت اور زائد از ضرورت مالی وسائل کے بغیر انسان کے ذاتی اوصاف اور اعلیٰ کردار کی بنیاد پر قائم کیا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کو سمجھانا پڑا کہ اسلام اور جاہلیت کے معیار ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اقدار کا یہ کتنا بڑا انقلاب تھا؟ چنانچہ انھوں نے واضح کیا کہ اقدار کی یہ تبدیلی اسلام اور جاہلیت کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ جاہلیت میں خاندان اور برادری کی عصبیت اور وسیع مالی وسائل حکمرانی کی بنیاد تھے جبکہ اسلام میں انسان کے اوصاف اور کردار اختیار و حکمرانی کا معیار ہیں۔

اس مسئلے پر مزید دلائل کی ضرورت باقی نہیں رہی کہ نسلی، نسبی، علاقائی اور فرقہ وارانہ عصبیتوں اور جمعیتوں اور مالی وسائل کی بنیاد پر حکمرانی کے امیدوار کو نااہل قرار دینا کیوں ضروری ہے؟ مذکورہ اہلیت کی بنیاد پر انتخاب کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رائے دہندگان کے سامنے امیدوار کا صرف ذاتی کردار ہی ہوگا۔ زائد از ضرورت مالی ذرائع و وسائل کی گرد امیدوار کے کردار کی پاکیزگی، سیرت کی بلندی، خدمات کی عظمت، قابلیت کی رفعت اور امانت کی اہلیت پر اثر انداز نہ ہوگی۔ جو شخص اپنے آپ کو زر اور زمین کی ہوس، ذات برادری اور فرقہ وارانہ عصبیت سے علیحدہ کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو، اسے "امینِ امت" کے مرتبۂ رفیعہ پر فائز ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ لہٰذا "امانت" اور "عصبیتِ جاہلیہ" دونوں میں سے ایک کا انتخاب پہلے خود امیدوار کو کرنا چاہیے۔ چونکہ امت کی اکثریت متوسط اور نچلے متوسط طبقے سے تعلق رکھتی ہے اس لیے اکثریت کا صحیح معنوں میں وہی نمائندہ ہوگا جو ان کی حیثیت کی نمائندگی کرے گا۔ جو ان کی حیثیت سے اونچا ہوگا وہ ان کے مزاج، نفسیات اور ماحول کو نہیں سمجھ سکتا اور نہ ہی ان کے مسائل حل کر سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com